نوآبادیات اور نوآبادیاتی تمدن (بنیادی مباحث)

ڈاکٹر سید ریاض ہمدانی*

Abstract:

West subdued many lands in the world to suck their resources. All that was to meet the needs of industrial revolution in Europe. European powers conquered new lands, setup their rule and even settled physically to continue that. It was an attempt to plunder the resources material and human both. They struck the native civic life and tried to modify it partially. Complete change was in favor of Natives so they avoided it as that would be able to provide locals progress and enlightenment. They just changed them enough to get their own benefit. This partial change made Europeans plunder easy. All that process is now called Colonialism which made industrial revolution a success by the raw material of colonized lands. Still after many decades natives did not succeed to get freedom fully. They are still in European state of mind with local physical status.

Colonialism جدید تاریخ کی اصطلاح ہے جس کا معروف اردو ترجمہ ''نوآبادیات'' ہے۔ سب سے پہلے رومیوں نے اس اصطلاح کا استعمال کیا۔ 'نوآبادیات' کی مختلف تعریفوں کا جائزہ لیا جائے تو ان میں قطعی اتفاق کے بجائے تنوع دکھائی دیتا ہے:

"A settlement in a new Country ..... a body of people who settle in a new locality, forming a community

* اسسٹنٹ ڈائریکٹر، ساہیوال آرٹس کونسل، ساہیوال۔

subject to or connected with their parent state, the community so formed, consisting of the original settlers and their descendants and successors as long as the connection with parent state is kept up".**(1)**

ایک نئے علاقے میں آبادکاری......افراد کا گروہ جو ایک نئی جگہ پر سکونت اختیار کرے اور ایسی قومیت تشکیل پا جائے جو خالص آبادکاروں اور ان کی آئندہ نسلوں اور جانشینوں پر مشتمل ہو اور ان سب کا تعلق اپنی آبائی ریاست کے ساتھ قائم رہے۔ ''دی انسائیکلوپیڈیا ایمریکانا'' میں درج ہے کہ بہت سی یورپی طاقتوں نے اپنی آبائی ریاستوں کے معاشی اور عسکری فوائد کے لیے یورپ سے باہر جو سکونت (Settelment) اختیار کی، اسے نو آبادیات کہا جائے گا**(۲)**

مندرجہ بالا تعریفوں میں نہ تو کسی علاقے پر قبضے کا ذکر ہے اور نہ ہی مقامی باشندوں کی محکومی کا بیان ہے جن کے علاقے پر قبضہ کیا گیا، دوسرے علاقے پر تسلط کی معنویت کو لفظ Settelment میں سمویا گیا۔ اس سے یہ مہذب تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ دنیا میں کسی بھی جگہ آباد ہو جانا، مغرب کا وراثتی حق ہے۔ اسی حوالے سے مصنفہ اینا لومبا معترض ہیں کہ ''جن علاقوں پر قبضہ کیا گیا، وہ نئے علاقے بالکل نہ تھے بلکہ وہاں انسانی وجود پہلے سے تھا اور'' قومیت کو معرض وجود میں لانا'' بھی حقیقت کے منافی ہے''**(۳)** اس کے برعکس "Penguin Dictionary of Literary Terms" میں نو آبادیاتی طرز عمل کو الگ معانی دیئے گئے ہیں اس کے مطابق:

> ''نو آبادیات ایک ایسے طریقہ کار کا نام ہے جس کے ذریعے صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک خصوصاً انگلستان، فرانس، ہالینڈ، جرمنی، اٹلی، امریکہ، دنیا کے باقی خطوں افریقہ، ایشیا، ساؤتھ امریکہ اور مشرق وسطیٰ کی منڈیوں اور خام مال پر اپنا حق ملکیت حاصل کر کے اس کا استحصال کرتے ہیں''۔ **(۴)**

اس تعریف میں امریکہ کا ذکر ہے حالاں کہ خود امریکہ بھی برطانیہ کی نو آبادی رہا ہے۔ افریقہ اور امریکہ جیسے ممالک کے استحصال ہی سے یورپ میں سرمایہ داری انقلاب آیا اور بعد میں امریکہ نے آزادی حاصل کر کے خود کو اتنا مضبوط اور طاقتور بنایا کہ وہ یورپی ممالک کی صف میں کھڑا ہو گیا۔

نو آبادیات ایک ایسا نظام ہے جس میں ایک طاقت ور ملک کمزور ریاست پر براہ راست اپنا عسکری تسلط قائم کرتا ہے اور پھر عسکری قوت کے ذریعے مقامی معاشرت کو نئے سیاسی، معاشی اور ثقافتی رنگ میں ڈھالا جاتا ہے۔ یوں نو آبادیاتی عملداری کو وسعت دے کر دوسرے علاقوں پر قبضہ کیا جاتا ہے تاکہ مقامی آبادی کی افرادی قوت اور قدرتی وسائل پر دسترس حاصل ہو کیوں کہ سامراجیت کا مطلب اپنے تصرف سے باہر کی، دور دراز اور دوسروں کی زیر ملکیت زمین کے متعلق سوچنا، وہاں آباد اور قابض ہونا ہے۵۔ نو آبادیاتی حکومتی امور میں مقامی آبادی

کی نمائندگی بہت کم یا بالکل نہیں ہوتی۔ صرف بہترین اذہان کو سامراجی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مقبوضہ علاقوں کے وسائل کو اپنے آبائی وطن منتقل کر کے اسے معاشی طور پر مستحکم کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مقبوضہ علاقے کو ایسے خطے میں تبدیل کر دیا جاتا ہے جس کی فیصلہ سازی کا تمام تر انحصار قابض ملک پر ہو۔

ڈکشنری آف دی انگلش لینگویج کے انسائیکلو پیڈیا ایڈیشن میں نوآبادیاتی نظام (Colonialism) کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ:

> "The policy of a nation seeking to acquire,extend or retain overseas dependencies".(6)

آکسفورڈ ایڈوانس لرنرز میں نوآبادیاتی نظام (Colonialism) کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

> "The practice by which a powerful country controls another country or countries."(7)

اس تمام بحث کے بعد اگر ہم نوآبادیات کی مختصر تعریف کو حتمی شکل دینے کی کوشش کریں تو وہ کچھ یوں ہوگی کہ کسی غیر ملکی طاقت کا اپنی سرحدی حدود سے باہر، دوسری اقوام کے اقتدار کو ختم کرنا اور وہاں اپنے اقتدار کو مستحکم کرنا اور مقامی لوگوں کے حقوق و وسائل کا استحصال کر کے اپنے آبائی وطن کو معاشی طور پر مضبوط کرنا، نوآبادیات کہلاتا ہے۔

بیشتر نوآبادیاں یورپ سے جغرافیائی طور سے دور تھیں اور ان کے ہاں عسکریت زیادہ تھی۔ انھوں نے زیادہ منظّم انداز میں غیر ممالک پر اپنا قبضہ رکھ کر مقامی معاشروں میں نوآبادیاتی نظام کو فروغ دیا۔ سامراجی طاقتوں نے دوسری اقوام کو اپنا مطیع بنانے کے لیے طاقت کا استعمال کرتے ہوئے معاہدوں، عسکریت، رسل اور نقل و حمل کی جدید ترایجادات اور مقامی حمایت یافتہ گروہوں سے کام لیا۔ ان استعماری قوتوں کا تعلق بنیادی طور پر یورپی اقوام سے ہے جو پیشے کے اعتبار سے تاجر تھے جو مختلف ممالک میں اسی تجارت کی غرض سے پہنچے۔ جدید نوآبادیاتی نظام سرمایہ درانہ نظام کے ایک خاص موڑ پر پہنچنے کے بعد جنم لیتا ہے(۸) جو سرمایہ درانہ نظام کا لازمی حصہ ہے۔

قدیم اہل روم مفتوحہ علاقہ جات میں رومی انتظام و انصرام کو "Colonia" کہتے تھے۔ ابتدائی عہد میں کالونیاں ساحل سمندر پر متعین حفاظتی دستے (Cost Guards) تھے اور اس میں شامل تین سو افراد اور ان کے اہل خانہ کو رومن شہریت حاصل تھی(۹) جدید نوآبادیات کا آغاز ۱۵۰۰ء میں ہوا جس میں یورپی اقوام نے افریقہ اور امریکہ کے لیے نئے سمندری راستے دریافت کیے جس سے طاقت کا محور خشکی کے راستوں کے بجائے بحری راستوں میں تبدیل ہو گیا۔ اس دور میں پرتگالی، اسپینی، فرانسیسی اور انگریز قومیں ابھر کر سامنے آئیں جنھوں نے دنیا میں پھیل کر اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ یوں پوری دنیا میں قبضوں، فتوحات اور نوآبادیات کا آغاز ہوا اور مغربی اقوام کو اپنی ثقافت کو دنیا میں رائج کرنے کا موقع ملا۔

کسی بھی تہذیب کے تخلیقی اذہان جن کا تعلق لٹریچر، فلسفہ یا سائنس سے ہو وہ تمدن کے مثبت اور افادی عاملین کو عملی شکل میں لانے کے اہم محرک ہوتے ہیں۔ روم و یونان کی فکری، تہذیبی اور ثقافتی اساس کی تجدید نو کی بنیاد پر چودھویں صدی عیسوی کے بعد جب یورپ میں تحریک احیائے علوم کا آغاز ہوا تو روشن خیال اور تجارت پسند ذہنیت نے چرچ کی فکری و سیاسی حاکمیت کے خلاف ردِ عمل ظاہر کیا۔ چرچ کے غلبے سے نکلنے والے اولین لوگ سرمایہ داری مزدور یا شہر کے چھوٹے دوکاندار تھے۔ جس کے پس منظر میں کلیسا کے مقابلے میں تاجر پیشہ سرمایہ داروں کی معاشی طاقت تھی جو یورپی نشاۃ الثانیہ کا باعث بنی۔ مغرب کی تاجرانہ مہم جوئی کے بعد نوآبادیاتی کلچر فروغ پذیر ہوا جو صنعتی سرمایہ داری پر منتج ہوا۔ نوآبادیاتی تمدن اور صنعتی معاشرے کی پس منظری بنیادیں بارہویں سے چودھویں صدی عیسوی تک اپنی شناخت پیدا کر چکی تھیں کیوں کہ نشاۃ الثانیہ نے سیاسی، اخلاقی اور تجارتی حوالے سے آزادی کا نیا تصور دیا۔ بقول ول ڈیورانٹ:

> ''سیاسی طور پر نشاۃ ثانیہ جمہوریائی پنچایتوں کی تجارتی امراء شاہیوں اور فوجی آمریتوں کے ساتھ تبدیلی تھی۔ اخلاقی حوالے سے یہ ایک پاگان بغاوت تھی جس نے ضابطہ اخلاق کی دینیاتی بنیاد کمزور کی اور انسانی جبلتوں کو صنعت و تجارت کی نئی دولت سے کھیلنے کی ہر آزادی دے دی۔''(۱۰)

مغربی معاشرے میں جب نئی سوچ پروان چڑھی تو لوگوں نے سمندر اور آسمان کے نئے نقشے بنائے۔ پھر سمندری سفر کے لیے تکنیکی مہارتوں کے بارے میں سوچا گیا تو اس کے لیے سرمائے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ چنانچہ پوری دنیا میں مغرب نے تجارتی و جنگی مہمات شروع کیں۔ امریکہ و آسٹریلیا جیسے کئی نئے خطے دریافت ہوئے۔ عرب فاتحین افریقہ کے تاریک براعظم تک نہ جا سکے تھے لیکن یورپین پہلی دفعہ وسائل کی تلاش میں اس تاریک براعظم کے اندر تک گئے۔ خام مال یورپ منتقل کرنے کے لیے مختلف ملکوں کے مقامی باشندوں کا ایک وسیع انتظام کے ذریعے سیاسی، معاشی اور ثقافتی استحصال کیا۔ یہی انتظام آگے چل کر کلونیکل کلچر کہلایا کیوں کہ پوری دنیا پر راج کرنے اور صنعتی ترقی کے لیے محکوم اقوام کی دولت، سرمائے اور وسائل کی برطانیہ کو ضرورت تھی۔

نئے سرمایہ درانہ ابھار کے ترجمان جان لاک (Jan Locke) اور ہیوم (Hume) جیسے فلاسفرز نے چرچ کے خلاف آواز بلند کی تو کلیسا کے ظلم و استبداد کے باوجود اہل حکمت جدید کے قافلے کو روکنا ممکن نہ رہا اور فرانس بیکن (Francis Becon 1561-1626) کے مادی فلسفہ نے نشاۃ الثانیہ کے زیر اثر نئے تجربی، استقرائی اور تجزیاتی منہاج کو اپناتے ہوئے فکر کے نئے ابواب رقم کیے (۱۱) ریناساں کی اہم پیداوار مغرب کا مشہور فرانسیسی فلسفی رینے ڈیکارٹ (Rene Descartes 1596-1650) تھا کیوں کہ اسی سے

ایک جدید فکر نے جنم لیا اور اس کے بعد یورپ میں نئی اور مہماتی سوچ کا آغاز ہوا۔ یہاں تک کہ جس عورت نے نامہرباں صدیوں کے دوران سخت رہبانیت کی ذلت سہی تھی (۱۲) اسے ریناساں کی تصاویر میں بھی مضبوط بازوؤں والی عورت دکھایا گیا جیسے کہ مائیکل انجلو کی عورتوں کو طاقت ور ظاہر کیا گیا کیوں کہ دوسرے علاقوں پر قبضہ کرنا اور اسے برقرار رکھنا طاقت ہی کے ذریعے ممکن تھا۔ یہی وہ دور ہے جب مشرق کے کچھ دانشوروں ابن رشد، ابن سینا اور ابن الہیثم نے بھی ابتدائی طور پر مغرب کو متاثر کیا۔ یورپ نے اس سے کچھ فوائد بھی حاصل کیے لیکن بعد میں خود اپنی محنت اور کوشش سے مغرب نے ان علوم کو وسعت دے کر سائنس اور طب کی شکل میں نمایاں کیا۔

نوآبادیاتی تمدن کی اصطلاح عموماً منفی رجحان کے طور پر استعمال ہوتی ہے جو مقامی لوگوں کی ثقافت پر دانستہ پالیسی، معاشی یا دفاعی تکنیک کی برتری سے غلبہ حاصل کرتی ہے جس میں بالخصوص حاکموں کی زبان کو دوسرے لوگوں پر مسلط کیا جاتا ہے۔ نوآبادیاتی تمدن کی محکوم اقوام تک منتقلی خالصتاً اختیارات، روایات اور فوجی طاقت کا مظہر ہوتی ہے۔ غالب ثقافت کے پہلو عام طور پر زبان کے ساتھ ہی منتقل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح دو معاشروں، قوموں اور ممالک کے درمیان سیاسی، اقتصادی، سماجی اور ذہنی لین دین کی بنیاد عدم مساوات، ایک طاقتور کا دوسرے کمزور فریق کے استحصال اور غلبے پر رکھی جاتی ہے۔ جس میں تمام تر فیصلے حاکم تنظیم کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ درحقیقت نوآبادیاتی تمدن کی مغلوب معاشرے میں منتقلی کا مقصد مقامی لوگوں کی ثقافت کا استحصال کرنا ہوتا ہے۔ طاہر کامران کے خیال میں:

> ''ہندوستان کی معاشرتی اقدار کو توہم پرستی، تلذذ اور غیر انسانی رسوم سے عبارت قرار دے کر مسترد کر دیا گیا اور اس خیال کو رواج دینے کی حتی المقدور کوشش کی گئی کہ مشرق کی غیر متمدّن عوام کو تہذیب وتمدن سے آشنا کرنے کی ذمہ داری انگریزوں کو خدا نے سونپی ہے۔'' (۱۳)

جب ایک معاشرہ کسی اور مقتدر معاشرے کی گرفت میں آجائے تو مغلوب معاشرے کے تمام ادارے اپنا حقیقی کردار کھو دیتے ہیں۔ غاصب اپنی ضرورت کے مطابق نئے ادارے بناتے ہیں لیکن زیریں سطح پر خصوصاً مالیات میں سابق اداروں ہی کو ماتحت رکھ کر کام چلایا جاتا ہے۔ نئے مقتدر اس مغلوب معاشرے کے لیے اپنی ضرورتوں کے تحت فیصلے کرتے ہیں۔ ان میں سب سے بنیادی فیصلہ اپنے اعتماد اور فتح کے نشے میں کیا جاتا ہے کہ ہم غاصب، مغلوب لوگوں سے برتر ہیں یوں مغلوب معاشرے کی ہر چیز اپنی سکہ رائج الوقت ہونے کی حیثیت کھو دیتی ہے لیکن ماتحت حیثیت میں ان کا محدود کردار بہر طور پر جاری رہتا ہے۔

نوآبادیاتی صورت حال میں تناؤ کی کیفیت ایک فطری پیداوار کے طور پر ہر جگہ موجود رہتی ہے کیوں کہ

سامراجی وژن بیک وقت دیسی لوگوں کی زندگی اور موت کو ممکن بناتا ہے (۱۴) مغلوب عوام دو گروہوں معاون کار (Harodians) اور مزاحمت کار (Zealots) میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ معاون کار غاصب کے غلبے کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو جاتے ہیں جب کہ مزاحمت کار ایک حد تک تصادم کے راستے پر رہتے ہیں۔ معاون کاروں کا تعاون غالب اور مغلوب کو ایک دوسرے کے قریب لے آتا ہے اور مغلوب معاونین اپنے نئے سماجی کردار کو سمجھنے لگتے ہیں یوں مغلوب معاشرے کے ادارے اور ان کے تحت زندگی گزارنے والے افراد اور گروہ بھی اپنی ترجیحات نئے حاکموں کی خواہش پر بدلنے لگتے ہیں۔ اب جو نئی ثقافت پنپنے لگتی ہے اس میں ترجیحات قابضین کے مقاصد اور منشاء کے تحت متعین ہوتی ہیں۔ تمام تر سماجی فیصلے نوآبادیاتی تمدن کے اختیار میں چلے جاتے ہیں۔ جس میں غالب ثقافت کا احساس برتری لازمی طور پر موجود ہوتا ہے جو مقبوضہ لوگوں کی ثقافت کو بہر صورت اپنے تمدن سے کم تر سمجھتا ہے:

> ''انگریزوں نے سفر و رہائش کے بندوست وغیرہ بھی ہندوستانی لوگوں سے فاصلے پر کر رکھے تھے۔ مثلاً گاندھی جی کے بیٹے کو ایک یورپین ریسٹورنٹ میں کھانے سے منع کیا گیا۔ نہرو کو فسٹ کلاس ٹرین کے ڈبے سے باہر نکالا گیا کیوں کہ یہ برطانوی اہلکاروں کے لیے خاص تھے۔'' (۱۵)

نوآبادکاروں اور حملہ آور مقتدر قوتوں کی ثقافت کا پھیلاؤ ناگزیر ہوتا ہے اس لیے کہ ثقافت اور سامراجیت کے درمیان روابط خود کو منوا لیتے ہیں (۱۶) اپنی ثقافت پر کوئی ہزار کار بند رہے لیکن انگریز یا ان کے ملازمین خصوصاً بیوروکریسی کے لیے نشست و برخاست کا انتظام مغربی طرز پر کرسیوں میزوں کے ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ برتن انہی کے استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ کھانے بھی انہی کی خواہش کے مطابق پکتے ہیں یوں سامراجی ثقافت بڑے شہروں سے چھوٹے شہروں، قصبوں، اور دیہاتوں کی طرف منتقل ہونے لگتی ہے۔ نئے کھانے، نئے برتن، نئے طرح کی نشست و برخاست کا رواج ہونے لگتا ہے۔ ثقافتی ترجیحات کی درجہ بندی میں نوآبادیاتی عنصر ہر سطح پر غالب ہونے اور دکھائی دینے لگتا ہے لیکن ترجیحات کا معاملہ مکمل یا فیصلہ کن نہیں ہوتا۔ ثقافت بہت وسیع اور گہرے معانی رکھنے والا تصور ہے جو کسی معاشرے کے تضادات کو ایک ہی ماحول میں ساتھ لے کر چلتا ہے۔ حاکموں سے دور دراز کے لوگ اپنی ترجیحات اور ثقافتی روّیوں پر قائم رہتے ہیں۔ جو لوگ جتنے بڑے شہروں خصوصاً دارالحکومت کے قریب ہوتے جائیں گے ان پر حاکموں کی ثقافت کے مظاہر اتنے ہی زیادہ واضح اور کثرت سے نظر آنے لگتے ہیں۔ جب دربار اور محلات تک بات پہنچتی ہے تو مغلوب ثقافت کا کوئی شائبہ تک بھی نئے ماحول میں نظر نہیں آتا۔ دربار اور دور دراز کے علاقوں کے درمیان مقامی اور غالب ثقافتوں کا آمیزہ بہت متنوع شرحوں میں تقسیم نظر آتا ہے۔ بقول ناصر عباس نیرّ:

> ''نوآبادکار محض اس تقسیم کے ذریعے اپنے اختیار کا مظاہرہ ہی نہیں کرتا، اس تقسیم کے

نتیجے میں اپنے اختیار کو بڑھاتا بھی ہے۔ یہ تقسیم طبعی اور ذہنی، بہ یک وقت ہوتی ہے۔
نوآبادکار اپنی اقامت گاہوں، چھاؤنیوں، دفاتر کو مقامی باشندوں سے الگ رکھتا ہے،
اور مقامیوں کو ان کے قریب پھٹکنے کی سختی سے ممانعت ہوتی ہے۔ ''کتوں اور
ہندوستانیوں کا داخلہ ممنوع ہے'' کی تختی جگہ جگہ آویزاں ہوتی ہے۔''(۱۷)

غالب حکمران اپنا پورا طرز زندگی نئے معاشرے میں پھیلا دیتے ہیں لیکن اس طرز معاشرت کی تمام تر بالادستی کے باوجود ان کی ثقافت کی جڑیں زمین میں نہیں ہوتی اور جس ثقافت کی جڑیں زمین میں نہیں ہوتی اس کے لیے خالص ترقی کا حصول ممکن نہیں رہتا یوں ایک پیوندی ثقافت نمو پذیر ہونے لگتی ہے جو توانائی تو مقامی زمین سے حاصل کرتی ہے لیکن اس کی اصلیت اور شناخت اپنی واضح شکل کھو دیتی ہے۔ نوآبادیاتی تمدن مقامی لوگوں کی اس غیر واضح اور بے رنگ ثقافت کا ہی خواہش مند ہوتا ہے۔ اس طرح لوگوں سے اپنی ثقافت بھی چھن جاتی ہے اور نوآبادیاتی فکر اسے مکمل طور پر اپنی تقلید کی اجازت بھی نہیں دیتی تاکہ مثالی ترقی کا خواب دیکھنا بھی مقامی لوگوں کی قسمت میں نہ ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ نوآبادیاتی نظام کے زیر سایہ علم حاصل کرنے کے بعد تعلیم یافتہ ہندوستانی کا ذہن انگریزی فکر اور تخیل کی سطح پر تیرتا رہا اور اس سے محض خود فریبی، بے رنگ، بے کیف اور بے رس خود پرستی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ (۱۸)

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نوآبادکاروں اور مقامی باشندوں کے مابین سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور علمی وفنونی سطح کے وہ تمام رجحانات ومیلانات جو ایک نئے اور کشمکش کے حامل سامراجی مفادات کا تحفظ کرنے والے سماجی ڈھانچے کو جنم دے، نوآبادیاتی تمدن کہلائے گا۔ ہندوستان میں نوآبادیاتی تمدن کی سرایت لمبے عرصے میں اور مختلف مراحل میں ہوئی۔ یورپی لوگوں نے ہندوستان کی ثقافت کو اس وقت فضول اور کمزور قرار دیا جب ان کے عسکری طریقوں نے ہندوستان میں عسکریت کو شکست دینے کا عمل شروع کیا۔ یہاں نوآبادیات نے ایک نئی سر زمین تلاش کر لی تھی۔ پھر بطور تاجر وہ بالادست تھے۔ کیا چیز ہندوستان آئے گی اور کیا نہیں، یہ امور باقاعدہ فیصلوں سے طے ہونے لگے۔ ہندوستان سے کپاس برطانیہ جاتی تو کپڑا بن جاتی پھر وہی کپاس کپڑے کی شکل میں اپنی نئی قیمت کے ساتھ ہندوستان کا رخ کرتی۔ ایسے حالات میں افلاس ہندوستانیوں کا مقدر بننے لگا اور ہندوستانی سرمایہ انگریز کی قسمت چمکانے کے لیے برطانیہ چلا گیا۔

ان تمام واقعات اور پالیسیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا مشکل نہیں کہ نوآبادیاتی نظام قابض اقوام کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ مقامی لوگوں کا معاشی استحصال کریں مگر یہ اس صورت میں ممکن نہ تھا جب تک مقامی ثقافت پورے طریقے سے موجود رہے۔ نوآبادکاروں نے سماجی ڈھانچے کو بھی ضرب لگائی جس نے مقامی لوگوں کو تذبذب کا شکار کر دیا۔ یوں مقامی لوگ یورپی غاصبوں کا کلچر اپنا نہ سکے اور اپنی ثقافت کو محفوظ رکھنے میں ناکامیاب رہے۔ جس کا

نتیجہ مغلوب اقوام کے معاشی اور سماجی ڈھانچے کی تباہی کی صورت میں نکلا اور غالب اقوام استحصال کے ذریعے اپنے مقاصد پورا کرنے میں کامیاب ٹھہرے۔

حوالہ جات

۱۔ طاہر کامران،''کولونیل ازم: نظریہ اور برصغیر پر اس کا اطلاق''،مشمولہ: تاریخ، شمارہ ۲۲، جولائی ۲۰۰۴ء، فکشن ہاؤس، لاہور، ص ۳۲

2. The Encyclopedia Emericana, International Edition, P. 88

۳۔ کولونیل ازم: نظریہ اور برصغیر پر اس کا اطلاق، مشمولہ: تاریخ، ص ۳۲

4. Penguin Dictionary Of Literary Terms, P.34

۵۔ سعید، ایڈورڈ،''ثقافت اور سامراج''، مترجم: یاسر جواد، ۲۰۱۰ء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۲۰

6. The New International Webster's Comprehensive Dictionary of the English Language, 2006, (Encyclopedia Edition) Vol. 1, Naples, Trident reference publishing.

7. Oxford Advanced Learner's Dictionary, 2004 (7th Edition), London, Oxford University Press.

۸۔ مرزا، اشفاق سلیم،''فلسفہ تاریخ، نوآبادیات اور جمہوریت''، سانجھ، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۱۹

9. The 21st Century Webster International Encyclopedia, 2003,

۱۰۔ ول ڈیورانٹ،''یورپ کی بیداری''، مترجم: یاسر جواد، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۰۰

۱۱۔ مرزا، اشفاق سلیم،''فلسفہ کیا ہے؟''، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۶۰

۱۲۔ ول ڈیورانٹ،''یورپ کی بیداری''، مترجم: یاسر جواد، ص ۱۰۰۴

۱۳۔ طاہر کامران،''کولونیل ازم: نظریہ اور برصغیر پر اس کا اطلاق''، ص ۴۲

۱۴۔ سعید، ایڈورڈ،''ثقافت اور سامراج''، مترجم: یاسر جواد، ص ۱۴۶

15. Ahmad, Akbar S. Discovering Islam, 1988, Lahore, Vanguard Book, P. 117,118.

۱۶۔ سعید، ایڈورڈ،''ثقافت اور سامراج''، مترجم: یاسر جواد، ص ۲۰

۱۷۔ نیّر، ناصر عباس، ڈاکٹر،''لسانیات اور تنقید''، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۰۹ء، ص ۲۴

۱۸۔ ساجد امجد، پروفیسر، ڈاکٹر،''اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات''، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۸۵